بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

یوں تو پاکستان کے قیام کے کچھ مدت بعد ہی اخلاقی انحطاط کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا لیکن پچھلے چند سال سے اس کی رفتار میں بڑا تشویشناک اضافہ ہو رہا ہے۔ کوئی اخبار اٹھا کر دیکھیے آپ کو ایک صفحے پر ہی اخلاقی بے راہ روی کے بیسیوں بڑے سنگین اور شرمناک واقعات ملیں گے اور آپ محسوس کریں گے کہ آپ کسی ایسے ماحول میں نہیں رہ رہے جس میں اخلاق، شرافت، شرم و حیا اور عفت و پاکدامنی جیسی اخلاقی اقدار کوئی فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہیں بلکہ آپ اپنے آپ کو ایک ایسی فضا میں سانس لیتے ہوئے پائیں گے جس میں نفس کی تربیت کا نہ صرف کوئی انتظام نہیں بلکہ اس کے خلاف ایک نہایت کھلا رجحان موجود ہے۔

پھر اس صورتِ حال کا سب سے زیادہ تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ قومی زندگی میں جن حضرات پر اخلاق عامہ کو سنوارنے اور اخلاقی اقدار کی حفاظت و پاسبانی کرنے اور قوم کی ذہنی اور جذباتی تربیت کر کے اُسے سیرت و کردار کے مضبوط سانچوں میں ڈھالنے کی سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ نہ صرف اپنے فرائض سے غافل نظر آتے ہیں بلکہ یوں دکھائی دیتا ہے کہ انہوں نے اس بدنصیب قوم کے بچے کھچے اسلامی اخلاق کو ختم کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے اور وہ اس کی اجتماعی زندگی کو مغرب کی معاشرتی زندگی کا نمونہ بنانے کا عزم کر چکے ہیں۔

کسی معاشرے کے اخلاقی رجحانات کا صحیح طور پر اندازہ کرنے کے لیے عام طور پر چار چیزیں دیکھی جاتی ہیں :

- عورت کا سوسائٹی میں مقام و مرتبہ اور اُس کا دائرۂ کار۔
- نوخیز نسلوں کی اخلاقی تربیت کا نہج
- فحاشی اور بے حیائی کو فروغ دینے والے اسباب و محرکات کی روک تھام کے لیے معقول اور مناسب انتظام۔
- ایک ایسا مضبوط نظامِ احتساب جو ان سب اداروں کا پُوری احساسِ ذمّہ داری کے ساتھ محاسبہ کرے۔

جو شخص اسلامی تعلیمات سے معمولی واقفیت بھی رکھتا ہے وہ اس حقیقت کو بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ اسلام عورت کو "شمعِ انجمن" بنانے کے بجائے چراغ خانہ بنانا چاہتا ہے۔ اس نے انسان کی اخلاقی تربیت پر بڑا زور دیا ہے اور اس مقصد کے لیے یہ ضروری ہے کہ گھر کا ماحول جو بچے کی تربیت کا سب سے پہلا اور سب سے اہم فطری مکتب ہے وہ اسلام کی اخلاقی شعاعوں سے پُوری طرح روشن ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے گھر کی چار دیواری کو اخلاق و روحانیت کے نور سے منوّر کرنے کی ذمّہ داری زیادہ تر عورت پر ڈالی ہے اور اس اہم فرض کی ادائیگی کا اُسے ہی ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے مسلمان خواتین کو یہ حکم صادر فرمایا ہے :

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ	اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور جاہلیتِ قدیم کے مطابق اپنے بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو۔ نماز کی پابندی کرو، اور زکوٰۃ ادا کیا کرو اور اللہ اور اُس کے رسول کے احکام بجا لاؤ۔ اللہ

لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۔ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۔ (الاحزاب۔ ۳۳-۳۴)	تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو تم کو آلودگی سے دُور رکھے اور تمہیں پوری طرح پاکیزہ رکھے۔ اور تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور اس کی حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں انہیں یاد کرتی رہو۔ بیشک اللہ بڑا باریک بین اور پُورا خبردار ہے۔

ان آیات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اس بات کی بھی ہدایت کی ہے کہ تم غیر محرم مردوں کے ساتھ بات کرتے ہوتے اپنی گفتگو میں لوچ اور نزاکت نہ پیدا کرو کیونکہ اس میں اس بات کا خدشہ موجود ہے کہ ایک آدمی جس کی نیت میں فتور اور جس کے مزاج میں فساد ہے وہ آپ کے نرم لب و لہجہ اور اس کی رعنائی اور دلفریبی سے متاثر ہو کر اپنے ذہن میں کوئی غلط خیال نہ بٹھا لے۔ اس حکم کی جو اہمیت اُس وقت کی سوسائٹی میں تھی، وہی اہمیت عام مسلمان عورتوں کے لیے آج کی غیر صالح فاسقانہ و فاجرانہ فضا میں بھی ہے۔ فقہاء نے اس حکم پر قیاس کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ عورتیں تو ایک طرف رہیں خود مردوں کو بھی ایسی باتیں کرنے سے سخت پرہیز کرنا چاہیے جن سے سفلی جذبات برانگیختہ ہونے کا احتمال ہو۔ ابن جصّاص نے احکام القرآن میں اپنی آیات سے استدلال کرتے ہوتے یہ کہا ہے کہ عورت کے لیے اتنی بلند آواز میں گفتگو کرنا ناجائز ہے جسے غیر محرم سُن سکیں۔

اختلاط مرد و زن کے رُجحان کی پُوری طرح ممانعت کرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے وہ حکم صادر فرمایا ہے جس کی طرف محوّلہ بالا آیات میں اشارہ کیا گیا ہے کہ تم گھروں کے اندر سکون اور قرار کے ساتھ رہو اور اپنی زیب و زینت لوگوں کو نہ دکھاتی پھرو۔ لفظ قَرْنَ کو بعض مفسّرین نے وقار سے مشتق قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن جصّاص احکام القرآن میں اس آیت کی تصریح کرتے ہوتے فرماتے ہیں: ای کن اھل وقار و ھدوءٍ وسکینۃٍ یعنی تم گھروں میں طمانیتِ قلب

کے ساتھ پُروقار طریق سے رہو۔

قرآن مجید نے نہ صرف عورتوں کو اس شریفانہ اور معقول طرزِ عمل اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے بلکہ ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ کا حکم صادر فرما کر اُس فاسقانہ طرزِ عمل کو اختیار کرنے کی بڑی سختی کے ساتھ ممانعت کی ہے جس کے تحت صنفِ نازک میں اپنے حُسن اور اپنی آرائش و زیبائش سے مردوں کی نظروں کو مفتوح کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور وہ بن سنور کر گھروں کی محفوظ چار دیواری سے باہر نکل کھڑی ہوتی ہیں۔

قرآن مجید نے اگرچہ الجاہلیۃ الاُولیٰ کے الفاظ استعمال کیے ہیں جو اُس مشرکانہ تہذیب و تمدن کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو اسلام سے قبل دنیا، خصوصاً عرب دنیا میں یونانی و رومی تمدن کے اثر سے رائج تھی لیکن یہ ذہن نشین رہے کہ تبرّج الجاہلیۃ کوئی ایسی رسم نہیں جو اب بالکل مٹ چکی ہے بلکہ یہ ایک ایسی بُرائی ہے جو ماضی میں بھی موجود تھی اور اب بھی پوری قوت کے ساتھ موجود ہے۔ یہ درحقیقت مادہ پرستانہ طرزِ فکر کا عملی اظہار ہے۔

جب سے دنیا قائم ہوئی ہے اسی وقت سے دو مختلف اور متضاد طرزِ فکر آپس میں ایک دوسرے سے متصادم چلے آرہے ہیں۔ ایک طرزِ فکر یہ ہے کہ مادہ کی یہ محدود دنیا ہی سب کچھ ہے اس لیے انسان کو اپنی حسی لذّات کی تسکین کے لیے بھرپور کوشش کرنی چاہیے اور اس راہ میں کسی قسم کی کوئی پابندی برداشت نہ کرنا چاہیے۔ اس طرزِ فکر نے یوں تو زندگی کے ہر شعبے میں شدید بگاڑ پیدا کیا ہے لیکن اس نے سب سے زیادہ نقصان عورت کو پہنچایا ہے۔ اس کی بنیاد پر جو اجتماعی زندگی تشکیل کی گئی ہے اس میں عورت مرد کے سفلی جذبات کی تسکین کا محض ایک ذریعہ ہے اور وہ اس معاملے میں جتنی ہنرمندی، چابکدستی بلکہ فنکارانہ مہارت دکھائے گی اسی نسبت سے کامیاب ہوگی۔

اس کے برعکس دوسرا طرزِ فکر جس کے مطابق انسان کو صرف حسّی لذّات کی تسکین کے لیے

نہیں بلکہ بعض اعلیٰ اور ارفع مقاصد کی تکمیل کے لیے پیدا کیا گیا ہے، عورت کو مرد کے ہاتھ میں کھلونا نہیں بناتا بلکہ اُسے وہ مقدس مرتبہ اور مقام دیتا ہے جس کی وہ مستحق ہے۔ حضور سرورِ کائنات نے اُس کے اس منصب اور اُس کی ذمہ داریوں کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

المرأۃ راعیۃ علی بیت زوجہا وھی مسئولۃ (بخاری)

عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمران ہے اور وہ اپنی حکومت کے دائرہ میں اپنے عمل کے لیے جواب دہ ہے۔

گھر کی چار دیواری ہی انسانی معاشرے کی وہ بنیادی اکائی ہے جس کے اثرات کسی سوسائٹی بلکہ پوری انسانیت پر مترتب ہوتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان آنکھ کھولتا ہے اور یہی وہ ماحول ہے جس کے اچھے یا بُرے اثرات شعوری اور غیر شعوری طور پر اُس کے ذہن کی صاف لوح پر نقش ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اگر گھریلو ماحول شرافت اور اخلاق صالح سے معمور ہوگا تو اس کے صحت مند اثرات بچے کے ذہن پر لازماً پڑیں گے بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ بچپن کے غیر محسوس تاثرات انسان کے قلب و دماغ پر تاحینِ حیات قائم رہتے ہیں۔ مگر گھریلو ماحول کی پاکیزگی اور صحت کا زیادہ تر دار و مدار عورت یا زیادہ صحیح الفاظ میں ماں پر ہوتا ہے اسی بنا پر عورت کو حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے شوہر کے گھر کی حکمران کہا ہے۔

عورت اسلامی نقطۂ نظر سے محض مرد کی جنسی تسکین کا ذریعہ نہیں بلکہ وہ ایسی بلند ہستی ہے جو اسلامی معاشرے کی بنیادوں کی حفاظت اور پاسبانی کرتی ہے۔ وہ معاشرہ کی ذمّہ دار رکن ہے، اُس کے ذمّے چند بنیادی فرائض ہیں۔ وہ اسلامی اخلاق کی ترویج و اشاعت میں سب سے زیادہ فعّال کارکن کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان اہم ذمہ داریوں کی بجا آوری عورت اُسی صورت میں کر سکتی ہے جب وہ دلجمعی کے ساتھ گھر میں بیٹھ کر اولاد کی تربیت پر پوری توجہ صرف کرے۔ اس بنا پر اسلام نے اسے گھر سے باہر کی ذمّہ داریوں سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ حافظ ابوبکر بزار حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مسلمان خواتین نے بارگاہِ

نبوت میں عرض کی کہ حضور ساری فضیلت تو مرد لوٹ لے گئے، وہ جہاد کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں بڑے بڑے کام کرتے ہیں۔ ہم کیا عمل کریں کہ ہمیں بھی مجاہدین کے برابر اجر مل جائے۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: من تعدت منکن فی بیتها فانها تدرک عمل المجاهدین۔ جو تم میں سے گھر میں بیٹھے گی وہ مجاہدین کے عمل کو پالے گی۔

عورتوں کے لیے گھر میں بیٹھنے کی تاکید معاذاللہ کچھ اس وجہ سے نہیں کہ اسلام عورتوں کو قیدی کی حیثیت سے گھروں میں مقیّد رکھنا چاہتا ہے بلکہ اُس نے اُسے یہ حیثیت تقسیم کار کے طور پر دی ہے۔ اسلام کی نظر میں یہ شدید ناانصافی ہے کہ عورتیں گھر کی ذمّہ داریوں سے بھی عہدہ برا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ضروریات کی فراہمی کے لیے مردوں کے دوش بدوش، دفتروں، کارخانوں، ہوٹلوں اور صنعت و تجارت کے دوسرے اداروں میں کام بھی کریں۔ اسلام نے عورت کو گھر کے سکون اور آرام اور گھر کی فضا کو اخلاق و شرافت کا نمونہ بنانے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ اُس نے عورت اور اُس کے بچّوں کی کفالت کی ذمّہ داری مرد پر عائد کی ہے۔ فطرت نے جس طرح مرد اور عورت کی جسمانی ساخت میں فرق رکھا ہے، اسی طرح ان کے فرائض اور ذمّہ داریوں کو بھی الگ الگ رکھا ہے۔

روم و یونان اور دَورِ جدید کی مادی تہذیب نے عورت کے ساتھ یہ سخت شرمناک کھیل کھیلا ہے کہ اُسے آزادی کے نام پر ایک ایسی غلامی پر رضامند کیا ہے جس میں اس کی حیثیت مردوں کے ہاتھ میں رنگین اور جاذبِ نظر کھلونوں کی سی بن کر رہ گئی ہے۔ چند برس پیشتر یورپ کے ماہرینِ نفسیات کے لیے یہ سوال بڑی الجھن کا باعث بنا کہ مشرقی عورتوں میں ہسٹیریا کا مرض اس لیے عام ہے کہ انہیں اپنے صنفی جذبات کی تسکین کے لیے آزادی نہیں ملتی مگر مغرب میں جہاں عورتوں کو اس معاملے میں بڑی آزادی حاصل ہے وہاں وہ اس

نفسیاتی مرض میں مشرقی عورتوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ تعداد میں مبتلا نظر آتی ہیں۔ اس سوال پر بڑا غور و خوض کیا گیا اور مختلف اہلِ فکر نے اس کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کی۔ ان حضرات کے غور و فکر کے جو نتائج مختلف کتب اور رسائل میں شائع ہوئے ہیں انہیں دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغربی عورت آج شدید ذہنی تکلیف اور روحانی کرب میں مبتلا ہے اُس کے اندر اپنے حُسن اور زیب و زینت کا حد سے بڑھا ہوا جذبہ نمائش اور اس میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی حرص موجود ہے۔ اور اس نے اُس کے دماغی توازن کو بالکل بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ چنانچہ مغربی اُدباء اور ماہرینِ عمرانیات و نفسیات کی زبانوں سے یہ فقرہ عام سنائی دیتا ہے۔

WOME GOING TOTHE BALLS FALL HYSTERIC

رقص گاہوں کی طرف جاتے ہوئے عورتوں میں جنوں کی حد تک جذبہ مسابقت پایا جاتا ہے۔

رقص گاہوں اور تھیٹروں میں بازاروں اور منڈیوں میں سکولوں اور کالجوں میں، دفتروں، بنکوں اور دوسرے کاروباری اداروں میں عورت کے دماغ میں ہمیشہ ایک ہی سودا سمایا رہتا ہے کہ کسی طرح مقابلۂ حسن میں وہ دوسری عورتوں کو نیچا دکھا سکے اور زیادہ سے زیادہ مردوں کی توجہ کا مرکز بننے میں کامیاب ہو سکے۔ اس مقصد کے لیے وہ ہر لمحہ نئے نئے فیشن ایجاد کرتی ہے، نت نئی ادائیں سیکھتی ہے اور مردوں کے بہلانے کے لیے نئے نئے سامان تیار کرتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابھی ہمارا معاشرہ اخلاقی انحطاط کی اُس حد کو نہیں پہنچا جس پر کہ یورپ پہنچ چکا ہے اور ابھی ہمارے سنبھلنے کے امکانات موجود ہیں لیکن یہ ذہن نشین رہے کہ یورپ میں یہ سب کچھ یکایک ظہور میں نہیں آیا بلکہ صنعتی انقلاب کے

پیکر میں یونان اور روم کی بد روح نے حلول کر کے آہستہ آہستہ مغربی سوسائٹی کو اخلاقی اعتبار سے برباد کیا ہے۔

بدقسمتی سے اس صنعتی انقلاب کا آغاز ہمارے ہاں مغرب کے صنعتی انقلاب ہی کے خطوط پر ہو چکا ہے اور یونان اور رُوم کی بد روح بھی اس انقلاب کے ساتھ ہی آ گئی ہے اور اس نے ہماری سوسائٹی کو بڑی تیزی سے متاثر کرنا شروع کیا ہے۔ چنانچہ ہمارے ہاں بھی وہی اخلاقی فتنے بڑی سرعت کے ساتھ پھیل رہے ہیں جنہوں نے مغربی اخلاق کا ایک ڈیڑھ صدی کے اندر اندر دیوالہ نکال کے رکھ دیا۔

ہمارے معاشرے کے اندر اخلاقی بے راہ روی کی وبا کس رفتار سے بڑھ رہی ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ گذشتہ سال صرف لاہور کے تین ہسپتالوں میں ۱۲۳ ناجائز بچے پیدا ہوتے بلکہ کوہستان (۸ امئی ۱۹۶۵ء) کی خبر کے مطابق ان ناجائز بچوں کو جنم دینے والیاں اعلیٰ اور متوسط گھرانوں کی پڑھی لکھی لڑکیاں ہیں جو ان بدنصیبوں کو جنم دینے کے بعد دوسرے یا تیسرے روز ہسپتال چھوڑ کر چلی جاتی ہیں۔

اسی ضمن میں سالِ رواں کے جو اعداد و شمار سامنے آتے ہیں اُن کے مطابق صرف لاہور میں ہر ہفتے تیس سے لے کر چالیس تک ناجائز بچے پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں یا تو چوری چھپے ویران مقامات پر چھوڑ دیا جاتا ہے یا جن ہسپتالوں میں ان کی ولادت ہوتی ہے انہی کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں۔ پاکستان کونسل برائے بہبودیٔ اطفال نے ۱۹۶۰ء میں ان بچوں کی طرف توجہ دینی شروع کی تھی۔ کونسل کی کوششوں سے اب تک ایک سو دس ناجائز بچوں کو بے اولاد جوڑوں کے حوالے کیا جا چکا ہے (کوہستان، ۲۸ فروری ۶۶ء)

ان ناجائز بچوں کی پیدائش کا مسئلہ اتنی پیچیدہ صورت اختیار کر رہا ہے کہ انجمن بہبودِ اطفال کی صدر بیگم وقار النساء نون نے انجمن کی مغربی پاکستان کی شاخ کو یہ ہدایت کی ہے کہ

وہ ان ستم زدوں کی دیکھ بھال کے لیے ایک دارالامان قائم کرے (مشرق ۱۴ اپریل ۶۶ء)

اس اخلاقی انحطاط کا جائزہ لیتے ہوتے یہ ملحوظِ خاطر رہے کہ یہ تعداد صرف اُن بچوں کی ہے جو نوٹس میں آگئے ہیں اور یہ صرف لاہور شہر کا حال ہے۔ تہذیب و تمدن کے دوسرے مراکز یعنی حیدر آباد، کراچی، چاٹگام، ڈھاکہ، پشاور، راولپنڈی، سیالکوٹ، گوجرانوالہ لائل پور اور ملتان میں یہ وبا کس طرح پھیل رہی ہے اس کو بڑی آسانی سے تصور کیا جا سکتا ہے۔

اس تعداد کے ساتھ ذرا اُن ناجائز پیدائشوں پر بھی غور کیجیے جو نگاہوں سے مستور رہتی ہیں اور پھر ذرا ان تعداد حادثات کا بھی تصور کیجیے جو اسقاط کے رہینِ منت ہیں۔ ایک مسلم معاشرے میں زناکاری اور بدکاری کے اس بڑھتے ہوئے سلسلے کے بارے میں جب انسان سوچتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بے اختیار ہو کر چیخ اٹھتا ہے کہ آج ہم اخلاقی انحطاط کے مہیب غاروں میں کتنی برق رفتاری کے ساتھ دھکیلے جا رہے ہیں۔

یہ تشویشناک صورتِ حال یونہی تو پیدا نہیں ہو گئی اس کے پیچھے بعض نہایت خطرناک محرکات کام کر رہے ہیں۔ اس میں سب سے پہلا محرک دین سے ایک عام بے پروائی کا خطرناک رجحان ہے۔ مذہب اخلاق کی بنیاد ہے۔ مذہب کے بغیر انسانی سیرت و کردار میں کبھی پختگی نہیں پیدا ہو سکتی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کے اندر اخلاقی حس صرف اُسی صورت میں بیدار رہتی ہے جب کہ اس کا باطن زندہ جاوید علیم و خبیر اور قادرِ مطلق ذات پر ایمان سے معمور ہوتا ہے اور وہ اس کی خوشنودی اور رضا جوئی کو ہی اپنی سب سے بڑی کامیابی اور اس کی ناراضگی کو ہی اپنی سب سے بڑی ناکامی خیال کرتا ہے۔ جب اُس کے ذہن میں یہ تصور پوری طرح راسخ ہو جاتا ہے کہ ایک چشم ہمہ بین اس کی ساری حرکات و سکنات

بلکہ اس کے دل کی انجان گہرائیوں میں ابھرنے والے احساسات کو بھی اچھی طرح دیکھ رہی ہے اور وہ اسے اچھے اور برے خیالات اور اعمال کی جزا و سزا دینے پر قدرت بھی رکھتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کسی جماعت کا اخلاقی قانون اور اس کے تادیبی ضابطے ایک حد تک انسانی کردار کی نگرانی کرتے ہیں لیکن صرف انہی کا اثر انسان کو خیر پر قائم رکھنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ ان قوانین سے زیادہ سے زیادہ وہ اخلاق پیدا ہوتا ہے جسے انگریزی میں (DAY LIGHT MORALITY) اجالے کا اخلاق کہا جاتا ہے۔ یعنی اگر کوئی دیکھنے والا موجود نہ ہو، اور ماخوذ ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو اور قانونی شکنجہ سے بچنے کا موقع ہو تو پھر انسان بدی کر سکتا ہے۔ انسان کے احساسات و نظریات جو اس کے اعمال کے محرکات ہیں وہ تو فطری طور پر قوانین کی زد سے باہر ہوتے ہی ہیں۔ باقی رہے انسان کے ظاہری اعمال تو ان کی نوعیتیں بھی بسا اوقات اتنی پیچیدہ اور اتنی الجھی ہوئی ہوتی ہیں کہ قانون ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ مجرد قانون اور تادیبی ضابطوں کی مدد سے کسی معاشرے کو کبھی بھی با اخلاق نہیں بنایا جا سکتا۔ اگر یہ خارجی بندشیں افراد کو گناہ سے باز رکھنے کے لیے کافی ہوتیں تو آج یورپ اور امریکہ میں جرائم کا نام و نشان نہ ہوتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں ہر قسم کی قانونی جکڑ بندیوں اور عدالتوں کے بڑے وسیع نظام کے باوجود جرائم کی رفتار بڑی تشویشناک حد تک بڑھتی جا رہی ہے۔ حال ہی میں امریکہ کے جریدہ ٹائم میں جرائم کے جو اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں ان سے قانون کی بے بسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

- گزشتہ سال امریکہ میں چھبیس لاکھ مختلف نوعیتوں کے نہایت سنگین جرائم کی پولیس میں رپورٹ درج کرائی گئی۔
- ہر بارہ سیکنڈ میں مغربی تہذیب کے اس گہوارہ میں ایک وحشتناک جرم کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔
- ہر ڈھائی منٹ کے اندر قتل، قاتلانہ حملے یا زنا بالجبر کی ایک واردات ضرور ہوتی ہے

- ہر پانچ منٹ میں ڈاکہ زنی یا چوری کا ایک جرم ضرور کیا جاتا ہے۔
- ہر گھنٹے میں باون کاریں چرائی جاتی ہیں۔
- گزشتہ سال پولیس کے ہر دس افسروں میں سے ایک افسر شہریوں کے تشدد کا نشانہ بنا
- ۹۳۰۰۰ مجرموں میں سے جو ۱۹۶۴-۱۹۶۳ء میں گرفتار ہوئے، ۷۶ فیصد سابق سزا یافتہ تھے۔

جرائم کے یہ اعداد و شمار وہ ہیں جو پولیس کے ریکارڈ میں موجود ہیں۔ جو لوگ احتساب سے بچ گئے ہیں اُن کی تعداد اگر ان سے تگنی نہیں تو دگنی ضرور ہوگی۔

یہ اس ملک کا حال ہے جو دَورِ حاضر کی تہذیب و شائستگی کی امامت کا دعویدار ہے۔ جس میں روپے کی ریل پیل ہے، جس میں خواندگی کا تناسب ۹۵ فیصد ہے اور جس میں شہریوں اور حکام کی تعلیم و تربیت کے نہایت اعلیٰ انتظامات موجود ہیں۔

اس صورتِ حال پر جتنا بھی غور کیا جائے آپ ایک ہی نتیجے پر پہنچیں گے کہ جب تک انسان خود اپنے نفس کا محاسب بننے پر آمادہ نہیں ہوتا اس وقت تک محض قانونی بندشیں اُسے ارتکابِ جرم و گناہ سے باز نہیں رکھ سکتیں۔ صحیح معنوں میں اخلاق صرف ایمان باللہ ہی سے پیدا ہو سکتا ہے یعنی ایک سمیع و بصیر، علیم و خبیر ہستی پر ایمان لانے سے جو ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے اور جس کی طرف ہر انسان کو آخر کار جانا ہے۔

ہمیں افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ جس بدیہی حقیقت کو اہلِ مغرب بڑے تلخ تجربات کے بعد ماننے پر مجبور ہوئے ہیں اُسے ہمارے ہاں یکسر نظر انداز کر کے ایک ایسی روش اختیار کی جا رہی ہے جس سے اہلِ پاکستان کا اللہ پر ایمان اور دین سے محبت و عقیدت بڑھنے کے بجائے مسلسل کم ہوتی جا رہی ہے اور پاکستان کو اسلامی تہذیب و تمدن کا مسکن بنانے کے بجائے مغربی تہذیب کا نمونہ بنانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

اسلام نے عورت کے لیے جو دائرۂ کار مقرر کیا ہے اور اس نے حسن و نظر کے درمیان حدبندی کا جس طرح اہتمام کیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ آزادی کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اپنے معاشرتی نظام کو اسلامی نقطۂ نظر سے مستحکم بناتے اور فرنگی یلغار سے اس میں جو رخنے پڑ گئے تھے انہیں بند کرنے کی پوری فکر کرتے لیکن یہاں اسلام کے معاشرتی حصار میں ڈائنا مائٹ لگا کر شگاف کیے جا رہے ہیں۔ آپ کسی اخبار کے صفحے پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالیں تو آپ کو نیم برہنہ عورتوں کی متعدد تصاویر ملیں گی۔ بلکہ ان اخبارات میں اس قسم کی تصاویر شائع کرنے میں ایک جذبۂ رقابت نظر آتا ہے اور ہر اخبار اپنے صفحات کو ان سے مزین کرنے کے لیے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کوشش کرتا ہے۔ اس مسابقت نے نوبت یہاں تک پہنچا دی ہے کہ کئی ایک اخبارات اب ایسے شائع ہونے لگے ہیں جن میں عورتوں کی تصاویر اور ان کے رومانوی قصوں کے علاوہ دلچسپی کی کوئی دوسری چیز موجود ہی نہیں ہوتی۔

ان نیم برہنہ تصاویر کے علاوہ ایک اور خطرناک رجحان جسے اس ملک کے اربابِ اختیار قوت فراہم کر رہے ہیں وہ عورتوں اور مردوں کے درمیان بے حجابانہ میل جول ہے۔ کوئی قومی تقریب ہو اس میں مرد اور عورتیں آپ کو پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ملیں گے۔ غیر ملکی مہمانوں کی آمد پر جہاں مرد ناچ گا نے سے انہیں محظوظ کریں گے وہاں عورتیں بھی برابر شریک ہوں گی اور وہ بھی اپنے فن کا ایک دوسرے سے بڑھ کر مظاہرہ کریں گی۔ ابھی حال ہی میں صدر جمہوریہ چین کی آمد پر مختلف مقامات میں طلبہ اور طالبات نے رقص و موسیقی کی محفلیں سجا کر جس مہمان نوازی کا ثبوت دیا ہے اسے دیکھنے کے بعد بھی آنے والے طوفان کے خطرات کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ مسلمان خواتین جو کبھی اتنی باحیا اور باغیرت ہوا کرتی تھیں کہ انہیں غیر مرد سے معمولی بات چیت کرتے ہوئے بھی جھجک ہوتی تھی وہ آج غیر ملکی فنکاروں سے اپنے حسن کی داد وصول کرنے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ پیرس کے مشہور جامہ تراش مسٹر پیئر کارڈین نے، جو ایئر ہوسٹس یونیفارم ڈیزائن کے مقابلے

کے سلسلے میں پاکستان آئے تھے جس بے تکلفی کے ساتھ پاکستانی خواتین کے حسن کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کیے ہیں اور جس جذبۂ افتخار کے ساتھ ان عورتوں نے انہیں سراہا ہے، اسے دیکھ کر انسان یہ باور نہیں کرسکتا کہ یہ سب کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے جسے اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔

عورتوں کے اندر نمائش کے اس حد سے بڑھے ہوئے جذبے نے اچھے اچھے دین پسند گھرانوں کو سخت پریشان کر رکھا ہے۔ وہ بیچارے سمجھ نہیں پاتے کہ آخر اس سیلاب کا کس طرح مقابلہ کیا جائے۔ اب لڑکیاں عفت اور پاکبازی کا پیکر بننے کے بجائے ایکٹرس بننے کے خواب دیکھتی رہتی ہیں اور نمائش کا یہ جذبہ انہیں ایسی بُرائیوں کی طرف لے جاتا ہے جن سے بیچاری شرافت مارے شرم کے منہ چھپا لیتی ہے۔ ماں باپ کے لیے بے حیائی کا یہ خوفناک رجحان جس قدر پریشان کُن ہے اُس کی ایک معمولی سی جھلک مندرجۂ ذیل خط میں دیکھی جا سکتی ہے جو ایک ماں نے ایک ماہنامے کے مدیر کو لکھا ہے:

"میری لڑکی کی عمر ساڑھے سترہ سال ہے۔ اچھی خاصی قبول صورت ہوتے ہوئے بھی حد سے زیادہ میک اپ کرتی ہے۔ بچپن کے لاڈ پیار نے اُسے نڈر بنا دیا ہے۔ یہ عادت اُسے قریباً پندرہ برس کی عمر سے پڑی۔ آج کل وہ ایف اے کی طالبہ ہے۔ کالج میں آنے کے بعد سے اُس کی حرکات کچھ مشکوک سی ہو گئی ہیں۔ کچھ عرصے سے مَیں نے اس کے جیب خرچ میں کمی کر دی ہے، لیکن وہ پھر بھی قیمتی پوڈر اور کریم وغیرہ لاتی رہی۔ اس کی سہیلیاں بھی مجھے اچھی سوسائٹی کی معلوم نہیں ہوتیں۔ مَیں نے اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا شروع کی تو معلوم ہوا کہ میری لڑکی اور اس کی سہیلیاں روزانہ ایک ایسی جگہ جاتی ہیں جہاں پہلے سے غنڈے موجود ہوتے ہیں۔ اب خود سوچ لیں کہ کیا کچھ نہ ہوا ہوگا۔ بہت کوشش کی کہ لڑکی مان جائے، مگر اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے، وہ کسی طرح باز نہیں آتی۔ روزانہ

نماز پڑھ کر دُعا کرتی ہوں، مگر معلوم ہوتا ہے کہ دعا بھی اثر نہیں رکھتی"۔

مانا کہ اس بچی کو آغاز میں بے جا لاڈ پیار نے بگاڑا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اُسے ذرا سی ڈھیل فوراً بے حیائی کے عین منجدھار میں کیوں بہا کر لے گئی؟ اور اُس نے تعلیم و تربیت کے گہواروں میں جہاں اُس نے اپنی قیمتی زندگی کے ۱۲ سال صرف کیے ہیں، اپنے اخلاق کو سنوارنے کے بجائے انہیں برباد کرنے کا درس ہی حاصل کیا؟

اصل حقیقت یہ ہے کہ ہمارے بیشتر سکول اور کالج تعلیم و تعلّم جیسے مقدس کام کو تیاگ کر اب مغربی معاشرت کے علمبردار بنتے جا رہے ہیں۔ جہاں انہیں اچھے اخلاق کا سبق ملنے کے بجائے فنونِ لطیفہ کی آڑ میں باقاعدہ آبرو باختہ بنایا جاتا ہے۔ اساتذہ کرام کی نگرانی میں مبتذل اور فحش ڈرامے اکثر سٹیج کیے جاتے ہیں۔ پھر تصویر کھنچوانے کے مرض نے جو جذبہ نمائش ہی کی ایک صورت ہے، ایک خوفناک وبا کی شکل اختیار کر لی ہے۔ طالبات کی تصویریں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اخبارات میں شائع کی جاتی ہیں۔ سکولوں اور کالجوں میں کوئی معمولی سے معمولی تقریب بھی ایسی نہیں ہوتی جو فوٹو گرافر کے بغیر منعقد ہو سکے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہماری طالبات ہر کام، خواہ وہ ناچ گانے کی محفل ہو، مجلسِ مذاکرہ ہو، مشاعرہ یا مقابلۂ حسنِ قرأت ہی کیوں نہ ہو صرف اخبارات میں اپنی فوٹو شائع کروانے کے لیے ہی کرتی ہیں۔

اس اخلاقی بگاڑ کی ایک بڑی وجہ مخلوط تعلیم بھی ہے جہاں نوجوان بچے اور بچیاں بڑی آزادی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور بڑے بے حجابانہ انداز میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں۔ اس بنا پر اس سنگین صورتِ حال کی اصلاح کے لیے سب سے پہلا اور مؤثر قدم یہ ہے کہ اس نظام کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ شکنی کی جائے اور بچوں اور بچیوں کی تعلیم کا الگ الگ انتظام کیا جائے لیکن ہمارے ہاں جن لوگوں پر اس صورتِ حال کی

اصلاح کی براہِ راست ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وہ مغرب پرستی کے اس خطرناک رجحان کو روکنے کے بجائے اُسے ملک کے لیے سراپا خیر سمجھتے ہوئے اُسے جلد از جلد غالب بنانے کی فکر میں ہیں۔

ابھی چند روز ہوئے حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی ہے جس میں طلبہ کے مسائل کا جائزہ لیکر حکومت کو انہیں حل کرنے کے لیے مشورے بھی دیئے گئے ہیں۔ اس میں تعلیمِ نسواں کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اس سے برسرِ اقتدار طبقے کے فکری رجحانات کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس میں مخلوط تعلیم کی حمایت کا جذبہ کارفرما ہے اور طالبات کے لیے الگ یونیورسٹی کے قیام پر بحث کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا ہے کہ کمیشن اس میں کوئی حقیقی جواز نہیں پاتا۔ (ص ۱۴۵)

ہمارے ہاں بگاڑ کی رفتار پہلے ہی بڑی تیز ہے مگر اس میں ٹیلی ویژن کے آجانے کے بعد غیر معمولی اضافے کی پوری توقع ہے۔ پردۂ فلم کے ساتھ جن اخلاقی برائیوں کی تشہیر روزمرہ کا معمول بن گئی ہے اب انہی معائب کو ٹیلی ویژن کے پردے پر لانے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ ابھی فلموں کے حیا سوز پہلو ٹیلی ویژن کے پردے پر اُسی شدت کے ساتھ نہیں آرہے تاہم سوقیانہ بولوں والے گیتوں اور کولھے مٹکانے والی رقاصاؤں کے ٹیلی ویژن پروگرام شروع ہو گئے ہیں۔ یہ رجحان اگر اس طرح بڑھتا رہا اور اس مفید ایجاد کو اخلاقی اصلاح اور تعلیمی معیار بلند کرنے کا ذریعہ بنانے کے بجائے برائیاں پھیلانے کے لیے بے دریغ استعمال کیا جاتا رہا تو نشر و اشاعت کا یہ آلہ فلموں سے زیادہ تباہ کن ثابت ہوگا۔ کیونکہ اس کے ذریعہ اخلاقی معائب کی تشہیر کا جو سیلاب امڈے گا وہ گھروں کی چار دیواری کے اندر بڑی خوفناک تباہی مچائے گا اور جو گھرانے ابھی تک فلم کی مضرتوں سے محفوظ ہیں وہ بھی اس لپیٹ میں آجائیں گے۔

(باقی ص ۲۰۳ پر)

(بقیّہ اشارات)

بے جا نہ ہوگا اگر بات ختم کرنے سے پہلے ہم گانے بجانے کے متعلق حضور سرورِ کائنات اور دیگر صلحائے امّت کے چند اقوال نقل کر دیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اسلام کے سچے علمبردار اس "آرٹ" کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور قول ہے:

الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء الزّرع۔

گانا دل میں نفاق کی اس انداز سے آبیاری کرتا ہے جس طرح کہ کھیتوں کو پانی دیا جاتا ہے۔

غنا سے انسان کی قوتِ عمل بالکل مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور وہ ایک ایسی ذہنی عیاشی کا شکار ہو جاتا ہے جس سے وہ کسی کام کا نہیں رہتا۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر حضور نے فرمایا:

الغناء مفسدۃ للقلب مسخطۃٌ للرّب

غناء و سماع دل کو بگاڑنے والی اور خدا کو ناراض کرنے والی چیز ہے۔

موسیقی سے دل کے اندر جو سوز و گداز پیدا ہوتا ہے وہ انسان پر کوئی صحت مند

اثرات مرتب نہیں کرتا بلکہ اُس سے انسان ایک روگ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ اُسے اللہ اور اس کے احکام سے غافل کر دیتا ہے اور اس بنا پر موسیقی کا شیدائی باری تعالیٰ کا مقرب بندہ بننے کے بجائے اُس کی ناراضگی کا ہدف بنتا ہے۔

ہمارے ائمۂ سلف گانے بجانے کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے اس کا اندازہ خلیفۃ الرسول حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایک خط سے لگایا جا سکتا ہے جو آپ نے اپنے بچوں کے اتالیق کو تحریر فرمایا۔

"تمہیں سب سے پہلے میری اولاد کے دل میں باجوں، گاجوں اور راگ راگنیوں کے متعلق جذبۂ نفرت پیدا کرنا چاہیے کیونکہ یہ ایسے مذموم کام ہیں جن کے لئے سب سے پہلے شیطان تحریک کرتا ہے اور جو باری تعالیٰ کے غیظ و غضب کو انگیخت کرنے والے ہیں۔ مجھے اپنے دور کے نہایت ثقہ علماء سے یہ بات پہنچی ہے کہ ان کاموں سے دل میں نفاق اسطرح پرورش پاتا ہے جس طرح بارش میں گھاس

مسند امام احمد میں حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث درج ہے جس میں حضور نے بعثت کے جملہ مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی بیان فرمایا۔

ان اللہ بعثنی رحمۃً وھدًی للعالمین و امرنی ان امحق المزامیر والکبا دات یعنی البرابط والمعازف والاوثان التی کانت تعبد فی الجاھلیۃ ۔	اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم صادر فرمایا ہے کہ میں باجوں گاجوں کو، مرابط اور دوسرے سامان لہو و لعب اور جاہلیت کے بتوں کو دنیا سے محو کر دوں ۔

مشہور صوفی حضرت فضیل بن عیاض نے غناء کے مفاسد کا ذکر کرتے ہوئے ایک مقام پر کہا ہے کہ الغناء رقیۃ الزنا ۔ یعنی غناء زنا کے لیے افسوں کی حیثیت رکھتا ہے یعنی گانے بجانے سے انسان کے اندر زنا کی تحریک پیدا ہوتی ہے خصوصًا ایسی محفلِ سماع جو ایک

فاسقانہ ماحول میں منعقد ہو رہی ہو، جس میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں شریک ہو کر ساز کی دھنوں کے ساتھ عشقیہ اور مخرب اخلاق گیت گا کر ذہنی عیاشی کے طلبگار سامعین کے سفلی جذبات کو برانگیختہ کرنا اپنے فن کا کمال سمجھتی ہوں۔ اس بدیہی حقیقت کو مغرب کے بڑے نامور ماہرینِ نفسیات تک نے تسلیم کیا ہے۔ اس سلسلے میں "نفسیاتِ جنس" کے مصنف کی تصریحات قابلِ غور ہیں۔

"نغمہ اور آواز صنفی جذبات کو متلاطم کرنے کا ایک موثر ذریعہ ہیں اور اس سے انکار ممکن نہیں۔ میں اس معاملے میں مٹر موں کے ساتھ پوری طرح متفق ہوں کہ کانوں کے ذریعہ انسان کے صنفی جذبات جس قدر منتقل ہوتے ہیں ان کی قوت کا ابھی تک انسان صحیح اندازہ نہیں لگا سکا۔ آواز کا آتار چڑھاؤ انسانی طبائع پر بڑی شدت کے ساتھ اثر انداز ہوتا ہے اور یہی چیز بسا اوقات سامع اور مغنی یا مغنیہ کے درمیان اچانک عشق کی آگ بھڑکا دیتی ہے۔ آواز کی حیرت انگیز اثر آفرینی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ لاتعداد عورتیں گویوں کے دامِ محبت میں گرفتار ہو جاتی ہیں۔"